QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com
الأمیر

# اردو تفسیری ادب میں اجتہادی رجحانات: ایک تجزیاتی مطالعہ

# Ijtihadi Trends in Urdu Exegetical Literature: An Analytical Perspective

**Fouzia Arshad**
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Gift University Gujranwala
Email: Foziaarshad4647@gmail.com
**Prof. Dr. Munawar Cheema**
Professor, Department of Islamic Studies, Gift University Gujranwala
Email: drmunawarcheema1959@gmail.com

The Creator of humanity designated the first human as His vicegerent and Prophet, initiating a continuous process of divine guidance. Although the chain of Prophethood concluded with the final Prophet ﷺ, divine guidance persists eternally through the Qur'an and Sunnah. With the passage of time, new social, economic, and political challenges arise, necessitating the application of ijtihad. Individual ijtihad refers to scholars addressing such issues independently, whereas collective ijtihad involves a collaborative effort by jurists to derive solutions based on Shariah principles.

The core purpose of Qur'anic exegesis is to communicate the Qur'an's eternal message to the people of each era in a manner that resonates with their contemporary realities. Urdu exegetical literature plays a significant role in addressing emerging issues, ensuring that individuals and societies comprehend the Qur'an as a dynamic source of guidance for personal and collective challenges. This literature underscores the relevance of the Qur'an, presenting it as a timeless book capable of addressing the evolving needs of humanity. This study critically examines how ijtihadi trends have been integrated into Urdu exegesis to make the Qur'an accessible and relevant in addressing modern issues.

**Keywords:** Ijtihad, Qur'anic Exegesis, Urdu Literature, Tafsir, Collective Ijtihad, Social Challenges, Islamic Guidance, Contemporary Issues

DOAJ OPEN GLOBAL TRUSTED
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor Academic Scientific Journals
اشاریہ اردو جرائد
Eoi Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

تعارف:

اردو تفسیری ادب میں ایسی بہت سی تفاسیر ہیں جن میں اجتہادی رجحانات پائے جاتے ہیں یعنی ایک ہی تفسیر میں فقہی مسائل بھی ہیں، کلامی بھی ہیں، تصوف و تزکیہ کا موضوع بھی ہے۔ماثور کی خاصیت بھی موجود ہے تو اس کے ساتھ رائے کا استعمال بھی ہوا ہے۔ اردو تفاسیر کی بڑی تعداد ان اجتہادی رجحانات کی جامع تفسیر ہیں ۔مولانا اشرف علی تھانوی کی بیان القرآن ، قاضی ثناءاللہؒ کی ، تفسیر مظہری، پیر کرم شاہؒ کی، ضیاء القرآن، مفتی محمد شفیعؒ کی، معارف القرآن اور مولانا غلام رسول سعیدی کی تبیان القرآن اور بہت سی دیگر تفاسیر میں اس کا ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

تفسیری اجتہادی رجحانات:

تفسیر کا اصل مقصد یہ ہے کہ قرآن کا پیغام اپنی اصل روح کے ساتھ اپنے زمانے کے لوگوں تک پہنچایا جائے۔کسی زمانے کی معاشرت، معیشت، سیاست، کے حوالے سے جو نئے نئے مسائل جنم لیتے ہیں ان مسائل کے بارے میں لوگوں کو رہنمائی مہیا کی جائے۔افراد اور معاشرے کو اطمینان مہیا کیا جائے کہ قرآن ان کے مسائل کے حل کے لئے انہیں راہنمائی مہیا کرتا ہے۔یہ تفسیری ادب لوگوں کا رابطہ قرآن سے جوڑے رکھے۔ایسی تفسیر پر اکتفانہ کر لیا جائے اس کی بجائے تفسیری ادب لوگوں میں یہ یقین پیدا کرے کہ قرآن ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام مسائل میں انہیں راہنمائی مہیا کرتا ہے اور اس دور کے مفسرین نے قرآن کا پیغام قابل فہم انداز سے لوگوں تک پہنچایا ہے۔اس ادب نے قرآن کو زندہ کتاب کے طور پر پیش کیا ہے۔

اس وقت موجود اردو تفاسیر میں مفسرین کے اپنے مقدمہ تفسیر میں اعلان کے مطابق جن تفاسیر میں دعوت کا مقصد پیش نظر رکھا گیا ہے، ان میں تفہیم القرآن (مولانا مودودی)، معارف القرآن (مولانا مفتی محمد شفیع اور ،مولانا محمد ادریس کاندھلوی)، تدبر قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی) ضیاء القرآن (پیر محمد کرم شاہ)۔

اردو تفسیر ادب میں متعدد ایسی تفاسیر شامل ہیں جو کچھ تنظیموں، اداروں یا جماعتوں نے اپنے کارکنوں یا متعلقین کی تربیت کے لئے تیار کی ہیں۔یہ تفاسیر قرآن کی مکمل تفسیر نہیں ہیں۔ان جزوی تفاسیر کا بنیادی مقصد کسی مخصوص تنظیم کے منہج تربیت کو قرآنی منہج تربیت ثابت کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں یا یہ تنظیم اپنے منہج تربیت یا اپنے نقطہ نگاہ کی تائید کے لئے قرآن سے تائید حاصل کرتی ہیں۔اس انداز کے تفسیر ی ادب میں اگرچہ قرآن کی سادہ تفسیر کی گئی ہے تاہم تفسیر قرآن میں ایک مثبت ارتقاء ہے۔اس قسم کے تفسیر ی ادب میں انجمن خدام القرآن، تنظیم اسلامی، جماعت اسلامی، الہدی۔النور شامل ہیں۔

ان کے علاوہ کئی ایک ایسی تفاسیر ہیں جن کا اسلوب بیان ظاہر کرتا ہے کہ مفسر کے نزدیک تفسیری گہرائیوں کی بجائے قرآن کا پیغام لوگوں تک پہنچانا ان کا مقصد ہے۔

اس انداز کی بعض مزید تفاسیر بھی موجود ہیں جن میں اہتمام کیا گیا ہے کہ صرف معتبر اور ثقہ احادیث ہی تفسیر کے طور پر شامل کی جائیں۔ان میں تفسیر القرآن الکریم از حافظ عبد السلام بن محمد، تفسیر قرآن عزیز از مسعود احمد بی ایس سی، تفسیر دعوت القرآن از

مولانا ابو نعمان سیف اللہ خالد، حدیث التفاسیر، مولانا عبد الستار دہلوی مرتب: مولانا عبد القہار دہلوی اور چند سطور قبل بیان شدہ تفاسیر کا نام لیا جا سکتا ہے۔

سب سے اہم مسئلہ فکری ودعوتی ہے اس اعتبار سے تفسیر حقانی، مولانا عبد الحق حقانیؒ، بیان القرآن مولانا اشرف علی تھانویؒ، معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع ، معارف القرآن، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، تفہیم القرآن، مولانا ابو الاعلی مودودی، تبیان القرآن، مولانا غلام رسول سعیدی اور پیر کرم شاہ کی ضیاء القرآن میں عصری فکری مسائل پر تسلی بخش معیاری مواد موجود ہے۔ تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، تفہیم القرآن، مولانا ابو الاعلی مودودی ،ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ اور مولانا عبد الماجد دریابادی کی تفسیر ماجدی میں اگرچہ مواد موجود ہے۔ مگر مذکرہ تفاسیر کی بنسبت قدرے کم ہے۔

اور وہ تفاسیر جن میں جدید تہذیبی، معاشی سیاسی مسائل پر مواد موجود ہے۔ ان میں معارف القرآن مفتی محمد شفیع، تفہیم القرآن مولانا مودودی، تبیان القرآن مولانا سعیدی اور تفسیر ماجدی میں بحثیں موجود ہیں۔

وہ تفاسیر جو فقہی مسائل پر مشتمل ہیں، اور ان میں خالص فقہی رجحان پایا جاتا ہے، وہ صرف تفسیر معارف القرآن (مفتی محمد شفیع) کو ہی سمجھا جاتا ہے مولانا مودودی کی تفہیم القرآن میں بھی احکامی آیات کے تحت متعدد مقامات پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اہل علم کی یہ رائے نہیں ہے کہ وہ فقہی تفسیر ہے۔

برصغیر کے تفسیری ادب میں زبان وادب کا ارتقاء:

زبان وادب کے اعتبار سے اردو تفسیری ادب میں ایک واضح ارتقاء دکھائی دیتا ہے۔ تفسیر مواہب الرحمن (مولانا امیر علی) ترجمان القرآن (نواب صدیق حسن خان)، تفسیر عزیزی، (شاہ عبد العزیزؒ) موضح القرآن، (شاہ عبد القادرؒ) اور تفسیر رفیع (شاہ رفیع الدینؒ) کی زبان کو ایک طرف سامنے رکھیں اور اس کے دوسری جانب عصر جدید میں تفہیم القرآن (مولانا مودودی) تفسیر تدبر قرآن (مولانا امین احسن اصلاحی) تفسیر ماجدی (مولانا عبد الماجد دریابادی) ضیاء القرآن (پیر کرم شاہ الازہری) وغیرہ کو سامنے رکھیں تو زبان وادب کے اعتبار سے ایک نمایاں ارتقاء دکھائی دیتا ہے۔

بلاشبہ تفسیری ادب میں اس اعتبار سے ارتقاء پر یقیناً زبان وادب پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ تحریر کیا جا سکتا ہے۔ مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ہاں بھی تفسیری ادب میں ارتقاء نمایاں نظر آتا ہے۔ محاورات، تشبیہات، انتخاب الفاظ میں یہ دونوں تفاسیر اس سلسلے میں اپنے اندر بہت سے شواہد رکھتی ہیں۔

تفسیر تیسیر القرآن (مولانا عبد الرحمان کیلانی) میں سلاستِ زبان کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ تفسیر تبیان القرآن (مولانا غلام رسول سعیدی) کی زبان معیاری ہے اگرچہ اس میں عالمانہ اصطلاحات موجود ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ بات اپنے الفاظ میں بیان کی ہے کہ ان کی تفسیر (بیان القرآن) علماء کے لیے ہے۔ اگر کوئی اس کا مطالعہ کرنا چاہیں تو کسی عالم کے ذریعے کریں۔ اس مشکل کا حل تفسیر معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع نے کر دیا اور تفسیر بیان القرآن

کے مضامین کو مختصر اعام فہم زبان میں بیان کر دیا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے استاذ مولانا حمید الدین فراہی نے نظم قرآن کے اہتمام کے ساتھ تفسیر کا نظریہ پیش کیا تو جہاں اس نظریہ کے حامی علماء نے اس نظریہ کی افادیت اور قرآن میں اس کی اہمیت کو اُجاگر کیا تو اس نظریے کے بعض کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کرتے ہوئے تنقید بھی کی گئی ہے۔ بلکہ مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے استاد محترم مولانا حمید الدین فراہی سے نظم قرآن پر اختلاف کیا۔ ان مقامات کی نشاندہی تفسیر تدبر قرآن میں کی گئی ہے۔ اسی طرح مولانا ابو الکلام آزاد نے "اُم الکتاب" میں "صراط الذین انعمت علیهم[1]" کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی نے اپنی تفسیر، سورۃ الفاتحہ "واضح البیان فی تفسیر اُم القرآن" میں اس پر خوب علمی محاکمہ کیا۔

## اسباب نزول اور برصغیر کا تفسیری ادب:

برصغیر کے تفسیری ادب کو اگر تخلیقی اعتبار سے دیکھیں تو اس میں اطمینان بخش حد تک تخلیقی مواد موجود ہے۔ مولانا مودودی صرف اس جگہ اسباب نزول کا ذکر کرتے ہیں جہاں بالکل واضح اور معتبر ذرائع سے ملنے والی روایت موجود ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ ایک آیت کے ساتھ منسوب اسباب نزول کی مختلف روایات بیان کرتے ہوں، پھر ان کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوں اور ان میں سے ایک روایت کو اختیار کرتے ہوں وہ اس بحث سے اجتناب کرتے ہیں۔ مفتی محمد شفیع کا انداز بھی کم و بیش یہی ہے۔ صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ مولانا مودودی کے مقابلے میں معارف القرآن میں اسباب نزول کی بحث نسبتاً زیادہ ہے۔ تفسیر ماجدی میں اسباب نزول کا ذکر خال خال ملتا ہے۔

تبیان القرآن میں بھی اسباب نزول سے استفادہ کیا گیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں اسلاف کے طریقے پر ہی کار فرما ہیں کہ بڑی حد تک اس کا التزام کرتے ہیں اور روایات اگر زیادہ ہوں تو ان میں ترجیح روایت کا عمل بھی کرتے ہیں۔ معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی اسباب نزول کی اہمیت کے قائل ہیں لیکن اس کا التزام نہیں کرتے۔ تفسیر ضیاء القرآن میں اسباب نزول صرف ضرورت کے مطابق ہے۔ اس کا التزام نہیں ہے۔ اسباب نزول کو تفسیر قرآن میں بنیاد بناتے ہوئے تفسیری روایات کی چھان پھٹک کا رجحان تفسیری ارتقاء کا حصہ ہے۔[2]

اجتہاد :

خالق کائنات نے پہلا انسان تخلیق کیا تو اسی وقت اسے اپنا نائب اور پیغمبر بھی منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لحظہ کے لئے بھی انسان کو اپنی ہدایت سے محروم نہیں فرمایا۔ ہدایت کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ نبوت کے سلسلہ اختتام پر ہدایت الٰہی کا بھی اختتام ہو۔ بلکہ یہ ہدایت قرآن و سنت کی شکل میں

---

[1] Al-Fatiha, 6:1.

[2] Ḥāfiẓ Maḥmūd Akhtar, Dr., Urdu Tafsīrī Adab kā Tajzīyah (Bait-ul-Ḥikmat, Lāhaur), 405 .

تا قیامت قائم رہے گی۔ تاہم یہ بھی واضح ہے کہ قرآن وسنت میں بیان شدہ احکامات محدود ہیں جن کے مرور زمانہ کے ساتھ نئے مسائل کا پیش آنا ایک قدرتی امر ہے۔ انفرادی سطح پر اگر ان مسائل کے حل کی کوشش اصحاب علم کی طرف سے ہو تو انفرادی اجتہاد کہلاتا ہے اور اگر مجتہدین اجتماعی طور پر شرعی اصول وضوابط کی روشنی میں ان مسائل کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کریں تو اس کی شکل اجتماعی اجتہاد کی ہوگی اور اگر اس تصور کو مزید پھیلایا جائے تو یہ اجتماعی اجتہاد کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔

اجتہاد کا لغوی معنی کسی کام میں اپنی بھرپور کوشش صرف کرنے کے ہیں جب کہ اصطلاح میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ جمہور علماء نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"اِتِّفَاقُ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِه فِيْ عَصْرٍ مِنَ الْعُصُوْرِ عَلٰى حُكْمٍ شَرْعِيٍ3

("رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی امت کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاقِ رائے کر لینے کو اجماع کہتے ہیں۔")

علامہ علی بن محمد الآمدی (متوفی ۶۳۱ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ أَكْثَرُ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى أنَّ الاجْمَاعَ حُجَّةٌ شَرْعِيَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِه عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ خِلاَفًا لِلشِّيْعَةِ وَالْخَوَارِجِ وَالنَّظَامِ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ.4

(”اکثر مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ ماسوائے شیعہ، خوارج اور معتزلہ میں سے نظام کے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔“)

ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۹۵۰ء۔۲۰۱۰ء) نے اجماع کی جامع تعریف بیان کی ہے؛ چنانچہ فرماتے ہیں:

"اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی نئے پیش آنے والے فقہی اور شرعی نوعیت کے معاملے پر امت کے فقہاء اور مجتہدین تفصیل کے ساتھ آزادانہ یعنی کسی حکومتی، سرکاری یا بیرونی اثر و رسوخ کے بغیر محض دلائل کی روشنی میں غور و فکر کریں اور قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اس کا حل تلاش کریں۔ پھر ان کے آپس کے تبادلۂ خیال سے جب وہ متفقہ طور پر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں تو وہ متفقہ نتیجہ اور فیصلہ اجماع کہلائے گا۔" 5

علامہ زبیدیؒ (م1205ھ) فرماتے ہیں:

"الإجتهاد بذل الوسع في طلب الأمر والمراد به رد القضية من طريق القياس الى الكتاب و السنة"

---

[3] ‘Abd al-Qādir bin Aḥmad bin Muṣṭafā bin ‘Abd al-Raḥīm bin Muḥammad Badrān, Al-Madkhal ilā Madhhab al-Imām Aḥmad bin Ḥanbal (Beirūt: Mu’assasat al-Risālah, 1981), 278/1.

4.‘Alī bin Muḥammad bin Sālim al-Āmidī, Al-Aḥkām fī Uṣūl al-Aḥkām (Beirūt: Al-Maktab al-Islāmī, 1975), 266/1.

[5] Maḥmūd Aḥmad Ghāzī, Dr., Muḥāḍirāt-e-Fiqh (Lāhaur: Al-Faiṣal Nāshrān), 92.

(اجتہاد کہتے ہیں کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا اور اس سے مراد ہے کسی قضیہ (مسئلہ) کو قیاس کے طریقے سے کتاب وسنّت کی طرف لوٹانا. (یعنی اس کی کوشش کرنا)

امام غزالی کے نزدیک اجتہاد کی تعریف:

بذل المجتهد وسعه في طلب العلم بالاحكام الشرعية بطريق الاستنباط[6]

"یعنی طلب علم میں مجتہد کا شرعی احکام کے استنباط کے لئے بھرپور کوشش کرنا۔"

قرآن کریم سے اجتہاد کا ثبوت:

وحی اپنی مختلف حیثیتوں سے اسلامی قانون کا پہلا ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ فقہاءِ اسلام نے اثبات اجتہاد کے لیے بہت ذہانت کے ساتھ قرآن سے بھی استدلال کیا ہے۔ مثلاً حالت سفر میں جب انسان کسی ایسے مقام پر ہو جہاں قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو تو نماز پڑھنے سے قبل قبلہ کا رخ جاننے کے لیے اسے تحری (غور وفکر) کا حکم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے تمام حواس کو استعمال کرکے یہ جاننے کی خوب کوشش کرے کہ قبلہ کس طرف ہو سکتا ہے۔ چاند اور سورج یا ستاروں کی گردش سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ بیت اللہ کس جہت میں واقع ہے۔ امام شافعیؒ نے سورۃ البقرہ کی آیت سے استدلال کیا ہے:

"وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ"[7]

("اور تو جہاں سے نکلے سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو، تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے، سوائے ان کے جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے، سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ"۔)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا[8]

("اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔")

اسی طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں جن میں فکر وشعور کی بنیاد پر اشیاء کے بارے میں قیاس کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُواْ بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ

[6] Abū Ḥāmid Muḥammad bin al-Ṭūsī al-Ghazālī, Al-Mustaṣfī (Beirūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah), 281/1.
[7] Al-Baqarah, 2:149.
[8] Al-Mā'idah, 5:59.

لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلاَ فَضْلُ اللّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لاَتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلاَّ قَلِيلاً[9]

("اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ (بجائے شہرت دینے کے) اسے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو (کسی) بات کا نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں اس (خبر کی حقیقت) کو جان لیتے، اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا تم (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتے۔")

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلاَّ رِجَالاً نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ. بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔"[10]

("اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مَردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے سو تم اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو۔ (انہیں بھی) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ (بھیجا تھا)، اور (اے نبیِ مکرّم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن) نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ (پیغام اور احکام) خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔")

ان آیات مبارکہ میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں ان کے درمیان باہم اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس معاملہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیں۔ یعنی اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کریں کیونکہ یہی استنباط احکام کے بنیادی ماخذ ہیں۔ اسی لیے اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ کسی مسئلہ کے بارے میں تنازع پیدا ہو جائے اور قرآن و سنت میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں اہل علم کو چاہیئے کہ وہ درپیش مسئلہ کا حل قرآن و سنت کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں قیاس واجتہاد کے ذریعے تلاش کریں۔

## حدیث سے اجتہاد کا ثبوت:

اجتہاد کے ثبوت میں سب سے اہم حدیث معاذ بن جبل بلند کی ہے جس کا آخری حصہ براہ راست اجتہاد سے متعلق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس سوال پر کہ اگر تمہیں قرآن و سنت میں درپیش کسی مسئلہ کا حل نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا کہ میں ایسی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور غور و فکر کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنے میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس جواب پر رسول اللہ سلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا:

" أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ، فَقَالَ: " كَيْفَ تَقْضِي؟ " فَقَالَ: أَقْضِي بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ. قَالَ: " فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ؟ " قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ

[9] Al-Nisā, 4:83.

[10] Al-Naḥl, 16:43-44.

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: " فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ " قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِي، قَالَ: " الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"[11]."

("رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو ) قاضی بنا کر (یمن بھیجا، تو آپ ﷺ نے پوچھا" :تم کیسے فیصلہ کروگے ؟"، انہوں نے کہا: میں اللہ کی کتاب سے فیصلے کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا" :اگر )اس کا حکم (اللہ کی کتاب ) قرآن (میں موجود نہ ہو تو؟ "معاذ نے کہا: تو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلے کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا" :اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی )اس کا حکم (موجود نہ ہو تو؟"، معاذ نے کہا) :تب (میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا" :اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو )صواب کی (توفیق بخشی"۔

("خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے شخص کو اس امر کی توفیق بخشی کہ جس سے اللہ تعالی کا رسول ﷺ راضی ہو۔")

اس حدیث مبارکہ سے صریح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ جب بھی کوئی نیا مسئلہ در پیش ہو تو اس صورت میں آپ ﷺ نے اجتہاد کے ذریعہ مسائل حل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اجتہاد کے ثبوت میں دوسری حدیث حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے۔ جسے صحاح ستہ کے تمام محدثین نے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

" إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ 12"

("جب حاکم اعتبار سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) میں ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ اجتہاد سے فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ (عند اللہ) غلط ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔")

یعنی جب کوئی حاکم فیصلہ کرتا ہے اور فیصلہ کرنے سے پہلے زیر غور مسئلہ میں خوب غور و فکر (اجتہاد) کر لیتا ہے۔(ہر پہلو سے اس کا جائزہ لے لیتا ہے)اور صحیح نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ دوہرے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے۔اور اگر وہ اجتہاد کرتا ہے اور غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو بھی اسے ایک اجر ضرور ملتا ہے۔

## اجتہاد کی ضرورت واہمیت:

قرآن کریم اور جناب نبی اکرم ﷺ کی سنت و تعلیمات دونوں تاریخ کے ریکارڈ پر محفوظ حالت میں موجود ہیں اور دنیا بھر میں شب و روز ان کی تعلیم و تدریس اور تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان میں انسانی زندگی کو قیامت تک پیش آنے

[11] Sunan Abī Dāwūd, Kitāb al-Aqḍiyah, Bāb Ijtihād al-Ra'y fī al-Qaḍā, Ḥadīth no. 3592, 3/303.

[12] Muḥammad bin Ismā'īl al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Beirūt: Dār al-Tawq al-Najāh, 1422H), 7352/9.

والے حالات ومسائل کی تفصیلات موجود نہیں ہیں اور نہ ہی موجود ہو سکتی ہیں اس لیے اسلام نے بعد میں رونما ہونے والے حالات وواقعات اور مشکلات ومسائل کے حوالہ سے انسانی معاشرہ کو قرآن وسنت کے دائرہ کا پابند رکھتے ہوئے جزئیات وفروعات میں حالات ومواقع کی مناسبت سے قرآن وسنت کی اصولی راہ نمائی کی روشنی میں عقل وقیاس کے ساتھ فیصلے کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور اسی اختیار کو شریعت کی اصطلاح میں ''اجتہاد'' کہتے ہیں۔

جن مسائل میں قرآن وسنت کی واضح راہ نمائی موجود نہیں ہے، ان میں قرآن وسنت کی روشنی میں رائے اور اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرنے کا یہ عمل صحابہ کرامؓ میں خود جناب نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی جاری تھا۔ احادیث کے ذخیرے میں بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو کوئی معاملہ درپیش ہوا، قرآن کریم کا کوئی واضح حکم سامنے نہیں تھا، جناب نبی اکرم ﷺ تک فوری رسائی بھی ممکن نہیں تھی تو متعلقہ حضرات نے اپنی رائے سے ایک فیصلہ کر لیا اور اس پر عمل کر گزرے۔ بعد میں جناب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بات پیش کی گئی تو آنحضرت ﷺ نے یہ تو کیا کہ کسی کے عمل کی توثیق کر کے اسے سند جواز عطا فرما دی اور کسی کے عمل کو خطا قرار دے دیا لیکن کبھی بھی نبی اکرم ﷺ نے اس ''اختیار'' کی نفی نہیں فرمائی کہ قرآن وسنت کی واضح راہ نمائی موجود نہ ہونے کی صورت میں وہ اپنی رائے اور اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔

## حضرات صحابہؓ کا اجتہاد:

1۔ غزوۂ احزاب سے واپسی کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا:

لاَ يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ العَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ» فَأَدْرَكَ بَعْضَهُمُ العَصْرُ فِي الطَّرِيقِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لاَ نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ نُصَلِّي، لَمْ يُرَدْ مِنَّا ذَلِكَ، فَذُكِرَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ[13]

("بعض صحابہ نے اس ارشاد کو حقیقی معنی پر معمول کرتے ہوئے بنی قریظہ میں عصر کی نماز ادا کرلی اور وقت کی تاخیر کی کوئی پروا نہیں کی۔ جبکہ دیگر صحابہ نے اجتہاد کیا اور اس ارشاد نبوی کو محض غایت سرعت پر محمول کیا اور یہ خیال کیا کہ بنو قریظہ ہی میں عصر پڑھنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ مقصود جلدی پہنچنا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے راستہ ہی میں وقت پر عصر کی نماز پڑھ لی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب واقعہ کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فریق کو بھی برا بھلا نہیں کہا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اجتہاد کو بھی معتبر مانا اور عمل بالظاہر کو بھی صحیح قرار دیا۔)"

مقام بدر میں مسلمانوں کی چھاؤنی بنانے کے سلسلہ میں، غزوۂ احزاب میں مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کے سلسلہ میں اور غزوۂ احد میں مدینہ کے اندر یا باہر رہ کر مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں حضرات صحابہؓ نے جو کچھ بھی مشورہ دیا تھا۔ یہ ان کا اجتہاد تھا، آپ ﷺ نے

[13]Muḥammad bin Ismā‘īl al-Bukhārī, Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Beirūt: Dār al-Tawq al-Najāḥ, 1422H), 946/2:6.

ان کے اجتہاد کو معتبر مانا۔

عربی زبان میں "اجتہاد" کے معنی انتہائی اور بھرپور کوشش کرنے کے ہیں، لیکن یہ عربی زبان کا صرف ایک لفظ ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی اصول قانون کی ایک نہایت اہم اصطلاح بھی ہے۔ اسلامی قانون کے تین اہم اور بنیادی ماخذ ہیں؛ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجتہاد۔ اسلام نے قانون اخذ کرنے کی ترتیب یہ مقرر کی ہے کہ جب ہماری زندگی میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس کے بارے میں ہمیں خدا کا قانون معلوم کرنا ہو تو سب سے پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر اس میں کوئی واضح بات نہ ملے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اگر اس میں بھی کوئی واضح بات نہ ملے تو پھر اجتہاد کرنا چاہیے؛ یعنی پھر کتاب و سنت کے اشارات، ان کے مقتضیات و مضمرات، عہد نبوی ﷺ کے امثال و نظائر، صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے تعامل اور شریعت اسلامی کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس پیش آمدہ صورت کیلیے حکم متعین کرنا چاہیے۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کتاب و سنت کے واضح نصوص سے کوئی حکم معلوم کرنا ہو تو یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اگر ایک آدمی عربی زبان سے واقف ہو تو وہ یہ کام آسانی سے کر سکتا ہے، لیکن جہاں واضح نصوص کے بجائے اشارات مقتضیات، قیاس، استنباط اور امثال و نظائر وغیرہ سے کام لے کر خود ایک حکم لگانا یا فتویٰ دینا ہو تو یہ کام کوئی آسان کام نہیں رہ جاتا، بلکہ ایک بڑا مشکل فنی کام بن جاتا ہے۔ اسلامی قانون کے اجتہادات پر جب آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ بعض معاملات میں اہل اجتہاد کے اجتہادات صرف اس وجہ سے مختلف ہو گئے کہ بعض اہل اجتہاد قرآن مجید کے کسی لفظ پر وقف یا ٹھہراؤ کے قائل ہیں، دوسروں کے نزدیک وہ ٹھہراؤ معتبر نہیں ہے۔ زبان کی انہی مشکلات اور نزاکتوں کی وجہ سے اسلامی اصول قانون (اصول فقہ) میں ایک طویل بحث الفاظ و اسالیب کے تقاضوں کی وضاحت کیلیے بھی ہوتی ہے اور آپ اگر اس کا مطالعہ کریں گے تو آپ تسلیم کریں گے کہ اس بحث کا بہت بڑا حصہ اسلامی قانون سے براہ راست تعلق رکھنے والا ہوتا ہے، اس کو سمجھے بغیر کوئی شخص اسلامی قانون میں اجتہاد کے لوازمات نہیں پورے کر سکتا۔

ایک آزاد معاشرہ کے اسلام پر قائم رہنے کیلیے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے دیئے ہوئے احکام و قوانین پر عمل کرے۔ اگر کسی معاملہ میں اس کو خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات میں کوئی واضح حکم نہ ملے تو پھر ان کے اشارات و مقتضیات کی روشنی میں اجتہاد کر کے خدا اور رسول ﷺ کے احکام سے قریب تر حکم معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ یہ اجتہاد غلط بھی ہو سکتا ہے، صحیح بھی ہو سکتا ہے، لیکن مسلمان کیلیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اس طرح کی صورتوں میں خدا اور رسول ﷺ کی رہنمائی کی طلب سے بے نیاز ہو جائے تو اس کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو جائے گی، اگرچہ وہ اپنی زندگی کے بعض گوشوں میں اسلامی احکام و قوانین پر ہی چل رہا ہو۔

اس وجہ سے خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ اپنے رشتہ کو استوار رکھنے کیلیے ہم اس بات کے محتاج ہیں کہ جن معاملات میں ہماری رہنمائی کیلیے خدا اور رسول ﷺ کے واضح احکام نہیں ان میں یا تو ہم دوسرے مجتہدین کے اجتہادات کو اختیار کریں یا اجتہاد کے شرعی

اصولوں پر اجتہاد کر کے ان کے بارے میں احکام متعین کریں۔ بغیر اس کے اسلام کے ساتھ ہمارا تعلق باقی نہیں رہ سکتا، اس وجہ سے اگر یہ کہا جائے کہ ہم اپنی مادی زندگی کی بقا کے لیے جتنے محتاج ہوا اور پانی کے ہیں اس سے زیادہ محتاج ہم اپنی روحانی زندگی کی بقا کے لئے اجتہاد کے ہیں، تو اس بات میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہو گا۔

اجتہاد کی یہ اہمیت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ جو معاشرہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام و قوانین کے تحت زندگی بسر کرنا چاہے گا اس کے لئے اجتہاد سے مفر نہیں ہے لیکن اس دور میں اس کی اہمیت کے بعض نئے پہلو بھی نمایاں ہوئے ہیں۔ ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ ان کی طرف بھی اجمال کے ساتھ اشارہ کر دیں۔

مختلف اسلامی فقہوں کو اس نگاہ سے دیکھنا اور ان کے مختلف اقوال و مذاہب میں سے کسی ایک قول و مسلک کو دلائل کی کسوٹی پر پرکھ کر اختیار کرنا، یہ بھی اجتہاد ہے۔ اس اجتہاد کے بغیر آپ اپنے معاشرہ کی یہ ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ اگر کسی ایک ہی فقہ کی تقلید پر اس کام کی بنیاد رکھی گئی تو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس صورت میں موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق کوئی ضابطہ قوانین مرتب کرنا مشکل ہے۔

## سائنس کی ترقی کے پیدا کردہ مسائل:

اسی طرح سائنس کی غیر معمولی ترقی نے بھی اس دور میں بہت سے نئے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل پیدا کر دیئے ہیں جو اگلے مجتہدین کے زمانوں میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ان مسائل پر اسلام کی روشنی میں غور کر کے اگر اس دور کے اصحاب اجتہاد نے کوئی رہنمائی نہ دی تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ ان مسائل میں من مانے طور پر رائیں قائم کریں گے اور اسلام کے متعلق اس بدگمانی میں مبتلا ہوں گے کہ وہ اس سائنٹفک دور کے حالات و مسائل کے لئے اپنے اندر کوئی رہنمائی نہیں رکھتا۔ ہم اس موقع پر اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے مسائل پر انفرادی طور پر جو رائیں ظاہر کی جارہی ہیں، خواہ علمائے دین کی طرف سے یا غیر علمائے دین کی طرف سے، ان سے ایک ذہنی انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس طرح کے مسائل پر صحیح رائے قائم کرنے کیلیے مذہب کے گہرے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے اور ان سوالات کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے جو فی الواقع سائنس کی ترقی نے پیدا کر دیئے ہیں۔ اس وجہ سے علماء اور غیر علماء دونوں ہی گروہوں کیلیے ہمارا ناچیز مشورہ یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل پر اپنے اپنے طور پر اظہار رائے کے بجائے اجتماعی طور پر غور کرنے اور رائے قائم کرنے کی کوئی شکل اختیار کریں تاکہ وہ اپنے معاشرے کو صحیح رہنمائی دے سکیں۔ بہر حال جہاں تک اجتہاد کی اہمیت و ضرورت کا تعلق ہے تو اس کی اہمیت و ضرورت جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، نہ پہلے کم تھی نہ اب کم ہے۔ البتہ اس اجتہاد کو عند اللہ مقبول اور عند الناس بنانے کیلیے ضروری ہے کہ یہ کام وہ لوگ کریں جو علمی اور اخلاقی دونوں ہی اعتبار سے اس کے لئے اہل اور موزوں ہوں۔

جو نئے مسائل سامنے آرہے ہیں ان کا تعلق، معشیت، معاشیات، سماجیات، اخلاقیات سے بھی ہے۔ ان کا دائرہ بہت وسیع ہے ہماری تفسیروں میں اس سلسلے میں کام ہوا ہے مفسرین نے جہاں دعوت و تبلیغ کا کام کیا ہے وہاں پر انہوں نے اجتہادی کام بھی کیا ہے جن

تفسیروں میں اجتہادی کام ہوئے ہیں ان میں مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مفتی محمد شفیع کی معارف القرآن، مولانا اصلاحی کی تدبر قرآن، اور غلام رسول سعیدی کی تبیان القرآن میں اجتہادی کام موجود ہے۔

کچھ اجتہادی کام خالص اسلاف اور اسلامی انداز اجتہاد کے مطابق ہوا ہے یعنی قرآن وحدیث میں جو ہمیں اجتہاد کے اصول ملتے ہیں ان کی روشنی میں اجتہاد ہوا ہے، کچھ تفسیروں می آزادانہ اجتہاد پایا جاتا ہے مثلا سر سید احمد خان اور محمد علی لاہوری کی تفسیروں میں آزادانہ اجتہاد کی کئی مثالیں ملتی ہیں، گویا اجتہاد دو طرح کا ہوا آزادانہ اجتہاد اور دوسرا سلف کے طریقے کے مطابق جائز اجتہاد ۔

**طبقات فقہاء:**

1۔ مجتہد مطلق:

اس کو مجتہد فی الشرع بھی کہتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو قواعد واصول مقرر فرماتے ہیں اور احکام فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں اور اصول وفروغ میں کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ جیسے ائمہ اربعہ۔

2۔ مجتہد فی المذہب:

یہ صرف اصول میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور اڈلہ اربعہ سے فروع کے استخراج پر قدرت رکھتے ہیں اور مسائل فرعیہ میں بعض جگہ اپنے امام سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ جیسے اصحاب ابی حنیفہ وغیرہ۔

3۔ مجتہد فی المسائل:

یہ اصول وفروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی، ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔ جیسے ابو جعفر طحاوی۔

4۔اصحاب تخریج :

انہیں اجتہاد پر قدرت نہیں ہوتی لیکن اصول اور اس کے مآخذ پر انہیں مکمل عبور ہوتا ہے، اس لئے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابو بکر جصاص اور کرخی۔

5۔اصحاب ترجیح :

یہ بعض روایتوں کو بعض دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ۔

6۔ ممیزین:

یہ وہ لوگ ہیں جو روایات میں سے صحیح، اصح، قوی، ضعیف اور ظواہر ونوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور انہیں روایات کو باہم تمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے صاحب کنز اور صاحب شرح وقایہ وغیرہ۔

کچھ چیزیں اصول ہوتی ہیں۔ قرآن نے سارے اصول بیان کیے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تشریح، فرع اور اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ پھر آپ ﷺ کی ساری عمر کا عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ صحابہ کرامؓ کا حضور ﷺ کے سامنے عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ دیکھنا

یہ ہے کہ آج کے اس بگڑے ہوئے معاشرے کو کن حدود میں لایا جائے، کن حدود و قیود کا پابند کیا جائے کہ وہ قرآن کے مطابق ڈھل جائے یہ جو اجتہاد ہے۔ ہم نے اجتہاد یہ نہیں کرنا کہ قرآن کو کہاں سے تبدیل کیا جائے، اجتہاد یہ کرنا ہے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کو کسی طرح قرآن کے بنائے ہوئے اصولوں میں ڈھالا جائے۔ ہمیں قرآن کے احکام میں قطع و برید نہیں کرنی، ہمیں قطع و برید اپنے کردار میں کرنی ہے۔ اجتہاد کیا ہوتا ہے؟ اجتہاد یہ ہوتا ہے کہ قرآن میں ایک چیز کا حکم موجود ہے تو اس پر کوئی اجتہاد نہیں، بات ختم ہو گئی۔ قرآن میں حکم موجود ہے اور سوائے ماننے کے کوئی چارہ نہیں، اس پہ کوئی اجتہاد نہیں ہو گا۔ ایک حکم حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے ایک حکم دے دیا تو بات ختم ہو گئی۔

اب اس پہ کوئی اجتہاد نہیں، کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ تعمیل ارشاد کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ ایک ایسی بات سامنے آجاتی ہے جس کا حل ہم کتاب اللہ سے تلاش نہیں کر سکتے۔ پھر ہمیں حدیث شریف سے تلاش کرنا ہو گا۔ حدیث شریف میں بھی تلاش نہیں کر سکتے تو پھر متقدمین کے کردار میں تلاش کرنا ہو گا۔ صحابہ کرامؓ کے، تابعین، تبع تابعین کے کردار میں، ان کے فیصلوں میں اس کا حل تلاش کرنا ہو گا۔ وہاں بھی نہیں ملتا تو پھر وہ شخص اجتہاد کا اہل ہے جو قرآن کریم، اس کی تفسیر، اس کی شان نزول اور اس کے معانی و مفاہیم پر گہری نظر رکھتا ہے، جس کی نظر پوری حدیث پر ہے، جس کی نظر سلف صالحین کے سارے حالات پر ہے۔ پھر اس چیز کو لے کر وہ شخص تطابق تلاش کرے گا۔ مطابقت تلاش کرے گا کہ اس قسم کے واقعہ کی کوئی مثال قرآن میں، حدیث میں یا متقدمین میں ملتی ہو کہ اس کے مطابق حل کیا جائے۔ اگر اس کے مطابق حل کرے گا تو یہ اجتہاد کہلائے گا۔

اب یہ کہہ دینا کہ قومی اسمبلی اجتہاد کرے۔ قومی اسمبلی میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں تو ترجمہ نہیں آتا۔ ایسے بھی ہیں جنھیں حدیث شریف سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے بھی ہیں جنھوں نے فقہ کبھی پڑھی ہی نہیں۔ اجتہاد کرنے کے لیے اسمبلی یا کسی کمیٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ اجتہاد کرنا ہے تو اس کے لیے علماء کی ایک مجلس ہونی چاہیے۔ اگر حضرت امام ابو حنیفہؒ اجتہاد فرماتے تھے اور امت کے ایک بہت بڑے طبقے کے امام ہیں تو وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے بھی چالیس علماء کی ایک کونسل بنائی ہوئی تھی۔ مسئلہ ان کے سامنے پیش ہوتا اور اس پر بحث ہوتی تھی۔ اس کی تفصیل کتابوں میں ملتی ہے۔ پھر جو ایک متفقہ رائے ہوتی اس کو امام صاحب اپنے علم کے ترازو میں تولتے تھے کہ اس کا یہ فیصلہ کیا جائے۔

اجتہاد کے لیے قرآن کریم، حدیث شریف، متقدمین کی سیرت و کردار اور فقہ پر پوری نظر ہو تو اس کے بعد وہ بندہ اس کا اہل ہے کہ قرآن اور حدیث کے احکام کی حدود کے اندر اس کا حل تلاش کرے۔ اسے اجتہاد کہتے ہیں۔ یہ اجتہاد نہیں ہے کہ جو ہم کرتے ہیں، اسے جائز بنانے کے لیے کہہ دیں کہ فلاں آیت کی یہ تاویل کرو، فلاں حدیث اس وقت تو کارگر تھی لیکن اب زمانہ بدل گیا۔ کچھ بھی نہیں بدلا۔ آج بھی وہی انسان ہیں، وہی ان کی غذا ہے، وہی ان کی دوائیں ہیں، وہی ان کی ضرورتیں ہیں۔ ہاں وسائل بدل گئے ہیں۔ اس زمانے میں سواری کے وسائل اور تھے، لکھنے پڑھنے کے وسائل اور تھے، کھانے پینے کے، روزی کے وسائل اور تھے، آج وسائل بدلے ہیں لیکن انسان بدلا ہے نہ انسان کی ضرورتیں بدلی ہیں۔ کسی بڑے اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں کہ بندہ بھی وہی ہے، اس کی

ضرورتیں بھی وہی ہیں لیکن ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے طریقے بدل گئے ہیں۔

اب اجتہاد یہی ہو گا کہ اس وقت ضرورت کے تحت اجازت تھی کہ گھوڑے پہ نماز ہو سکتی ہے، آج کا مجتہد یہ کہہ دے گا کہ ریل گاڑی پہ، بس پہ جا رہے ہو یا جہاز پہ جا رہے ہو، سواری پہ ہو اور نماز کا وقت ہو تا ہے تو کیا نماز ادا کی جاسکے گی۔ اس وقت کی سواری گھوڑا تھی آج کی سواری بدل گئی ہے۔ اس پہ بھی بڑا عرصہ بات ہوتی رہی لیکن علماء اس پہ متفق نہیں ہوتے تھے کہ جہاز میں نماز ادا ہوتی ہے کہ نہیں۔ دلیل یہ تھی کہ بحری جہاز پہ نماز ہو جاتی ہے کہ وہ پانی پہ ہے اور پانی کا تعلق زمین سے ہے، گھوڑے پہ اس لیے ہو جاتی کہ اس کے پاؤں زمین پر ٹکے ہوئے ہیں اور بیت اللہ شریف زمین پر ہے لیکن جہاز تو فضا میں اڑتا ہے۔ آج سے چند سال پہلے علماء اس نتیجہ پر پہنچے کہ بیت اللہ شریف صرف زمین پر نہیں اور یہ جو چار پتھر لگے ہوئے ہیں یہ بیت اللہ نہیں ہے، یہ بیت اللہ کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ جو بیت اللہ کی دیواریں ہیں یا چھت ہے یا جو پتھر لگے ہیں، یہ بذات خود بیت اللہ نہیں ہے۔

اگر ہم ان پتھروں کو اکھیڑ کر کسی دوسری جگہ عمارت بنا دیں تو نہ وہ بیت اللہ بن جائے گا، نہ ان پتھروں کو کوئی سجدہ کرتا ہے۔ یہ زمین کے ایک مرکز کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہ بیت اللہ ہے، مہبط تجلیات ہے۔ تحت الثریٰ سے لے کر عرش عُلیٰ تک بیت اللہ ہی بیت اللہ ہے۔ حطیم سمیت بیت اللہ کا جو احاطہ ہے یہ عرش عظیم سے لے کر تحت الثریٰ تک یا دوسری طرف عرش عظیم تک یہ سارا بیت اللہ ہے۔ جہاز اگر فضا میں بھی ہوتا ہے تو بیت اللہ کی کسی سمت میں ہوتا ہے اس لیے جہاز میں بھی ادا کرنی چاہیے۔ یہ تو ہوا اجتہاد جس کی دلیل یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جہاں بیت اللہ ہے، یہ اللہ کی تجلیات کا مہبط ہے۔ عرش عظیم سے لے کر دنیا کی طرف بھی عرش عظیم تک بیت اللہ ہی بیت اللہ ہے، اس کے انوارات و تجلیات موجود ہیں اور اس کی مرکزیت موجود ہے۔ علمائے حق نے یہ اجتہاد کیا کہ جب تجلیات باری ہی مقصود ہیں، وہی مرکز ہے اور یہ پتھر اس سمت کی نشان دہی کر رہے ہیں تو جہاز میں آپ اس طرف رخ کر کے نماز ادا کر لیجئے تو یہ اجتہاد ہو گیا۔

اجتہاد کے لیے ضروری ہے کہ آدمی مسلمان ہو، عاقل اور بالغ ہو، آزاد ہو، مرد ہو رعادل ہو، سننے، دیکھنے اور گویائی کی قوتوں سے پوری طرح بہرہ مند کتاب و سنت کے ان حصوں پر جن کا تعلق احکام سے ہے، گہری نظر رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ ان کے اندر کون سے نصوص خاص ہیں اور کون سے عام؟ کون سی نص مجمل ہے اور کون سے مبین، کون سا حکم ناسخ ہے اور کون سا منسوخ؟ (روایتی حیثیت سے) احادیث کے متعلق یہ علم رکھتا ہو کہ کون کون سی حدیثیں متواتر ہیں اور کون سی احاد؟ کون سی حدیث متصل ہے اور کون سی مرسل؟ نیز یہ کون سا راوی کس درجے میں قوی یا ضعیف ہے؟ زبان عربی پر لغوی اور نحوی دونوں حیثیتوں سے پورا عبور رکھتا ہو۔ علمائے صحابہؓ و تابعینؒ و غیر ہم کے اقوال کے بارے میں یہ خبر رکھتا ہو کہ کون سا مسئلہ اجماعی ہے ادر کون سا اختلافی؟ قیاس کی حقیقت اور اس کی تمام اقسام کو جانتا ہو۔

وسائل بدلے اور اس کے ساتھ کچھ نئے مسائل سامنے آئے لیکن ان پر اجتہاد وہ ہے جو قرآن، حدیث اور متقدمین کی آراء کے مطابق ہو۔ ان سب کو چھوڑ کر کوئی نئی راہ نکالنا اجتہاد نہیں، بغاوت ہے۔ دین کی تعبیر نہیں، تحریف ہے اور دین کو بدلنے والی بات ہے۔

یہ جو روز اجتہاد کا شور ہو رہا ہے تو میرے خیال میں یہ لوگ خود بھی نہیں سمجھتے کہ اجتہاد کسے کہتے ہیں۔ جیسے ایک صاحب اپنی تقریر میں فرمارہے تھے کہ جدید تقاضوں کے مطابق اجتہاد ہونا چاہیے ان کے جدید کیا ہیں؟ وہ ٹی وی ایک محفل میں فرمارہے تھے کہ قرآن میں یہ تو کہیں نہیں لکھا ہوا کہ شراب حرام ہے، بس صرف یہ فرمایا کہ اس سے بچو یہ بری چیز ہے۔ اب یہ اجتہاد تو نہیں ہے۔ جب بچنے کا حکم نازل ہوا تو اس کی تعبیر جو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ کوئی شخص اس کے بعد نہ شراب پیے گا، نہ شراب خریدے گا، نہ شراب گھر میں رکھے گا۔

مدینہ منورہ میں جن لوگوں کے گھروں میں جو ذخیرہ تھا اور مٹکے بھرے ہوئے تھے، وہ لوگوں نے گلیوں میں بہادیے۔ تاریخ میں موجود ہے کہ مہینوں بعد بھی اگر بارش پڑتی تو زمین پہ جھاگ بن جاتی تھی۔ جس آیت کی تفسیر حضور اکرم ﷺ نے کی، اس پر آپ ﷺ نے عمل کروایا۔ اب ان صاحب کے لیے تو اس میں گنجائش نہیں ہے کہ وہ اسے اپنا معنی پہنائیں اور اسے اجتہاد کہیں۔ یہ اجتہاد نہیں ہے، بے دینی ہے اور بغاوت ہے۔ ہمیں اجتہاد یہ کرنا ہے کہ ان وسائل کے ساتھ اور اس زمانے میں ہم کس طرح محمد الرسول اللہ ﷺ کی غلامی کا حق ادا کرسکتے ہیں کہ اس زمانے میں بھی رہیں، اس کا کپڑا بھی پہنیں، آج کی غذا بھی کھائیں، آج کی گاڑیوں پہ سفر بھی کریں، آج کے جہازوں پہ سفر بھی کریں، آج کی مصروف شہری زندگی میں بھی رہیں لیکن حضور اکرم ﷺ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع ہوتا رہے۔ اگر یہ اجتہاد ہے تو درست ہے۔ یہ اجتہاد نہیں ہے کہ قرآن و حدیث کو آج کے تقاضوں کے مطابق بدلا جائے۔

## فہرست مصادر


1. القرآن الکریم
2. الآمدی، علي بن محمد الآمدي (المتوفی:631ھ)۔ الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت: المکتب الإسلامي، 1975ء۔
3. حافظ محمود اختر، ڈاکٹر، اُردو تفسیری ادب کا تجزیاتی مطالعہ، بیت الحکمت لاہور، ص:405۔
4. عبد القادر بن أحمد بن مصطفی بن عبد الرحیم (المتوفی:1346ھ) المدخل إلی مذھب الإمام أحمد بن حنبل۔
5. الغزالی، ابو حامد محمد بن الطوسی، المستصفی، ج:1، ص:281، دالکتب العلمیہ، 193 ۔
6. غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ۔ لاہور: الفیصل ناشران۔
7. سنن أبي داود، کتاب الأقضیۃ، باب اجتھاد الرأي في القضاء۔
8. البخاري، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، بیروت۔
9. شامی، ابن عابدین، ردالمختار، دار أحیاء التراث العربی، بیروت:، 1419ء۔
10. ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ اپریل 2003ء۔